TIGHT BINDING BOOK

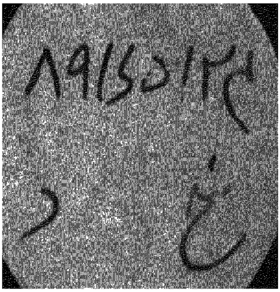

UNIVERSAL LIBRARY

OU_188962

UNIVERSAL LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۸۹۱.۵۰۱۲۶ Accession No. 17908. ۱۲۹۰۸

Author حکیم محمد ضیا

Title دو جام (رباعیات عمر خیام) روغنی منظوم

This book should be returned on or before the date last marked below.

دو جام

رباعیاتِ حکیم عمر خیّام

منظوم ترجمہ عدمؔ

نیو تاج آفس پوسٹ بکس نمبر ۱۷۴۹
دھلے

قیمت چار روپے

عزرِ تصنیف

غالباً اگست ۱۹۶۹ء کا زمانہ تھا کہ میں اپنے ایک دوست کیساتھ اپنے عزیز دوست محمد ہادی حسین کمشنر راولپنڈی سے ملاقات کیلئے مری گیا ہوا تھا۔ ہادی صاحب چونکہ مع اپنی بیگم کے اپر ٹوپہ تقسیم انعامات کے لئے چلے گئے تھے میں سامنے کی پہاڑی پر اپنے ایک یار کے ہاں فروکش ہو گیا۔ بھابی نے کھانا تیار کرنا شروع کیا۔ اور ساتھ ہی دھواں دھار بادل چاروں طرف سے اُمڈنے شروع ہو گئے ۔ اسی دوران میں حضرت شورش کاشمیری اور چودھری برکت علی مرحوم پانی میں لت پت کمرے میں آ دھمکے اور فرمانے لگے۔ "ڈاکٹر تاثیر صاحب کو پتہ چل گیا ہے کہ آپ مری میں آئے ہوئے ہیں اس لئے انہوں نے ہمیں متعین کیا کہ آپ کو پکڑ کر وہاں لے جائیں۔ اس وقت تو خیر کہاں جانا تھا میں نے کہا صبح حاضر ہو جاؤنگا۔

دوسرے دن صبح میں تاثیر صاحب کے ہاں گیا۔ بڑے تپاک سے پیش آئے اور ایک دو گھنٹہ بڑی محبت اور بے تکلفی سے گفتگو کرتے رہے گفتگو کے دوران میں فرمانے لگے "یار غلام عمر خیام پر کبھی توجہ صرف کی ہے یا نہیں؟" میں نے عرض کیا" ڈاکٹر صاحب ترجمہ کو شعر کے مقابلے میں اپنی توہین

محسوس کرتا ہوں۔ البتہ اپنے قطعات آپ کو سناتا ہوں۔ چنانچہ میں نے اپنے دو قطعات سنائے جو درج ذیل ہیں :۔

شکن نہ ڈال جبیں پر شراب دیتے ہوئے ۔۔۔ یہ مسکراتی ہوئی چیز مسکرا کے پلا!
سرور چیز کی مقدار پر نہیں موقوف ۔۔۔ شراب کم ہے تو ساقی نظر ملا کے پلا

زلف بر دوش اگر کوئی حسینہ آجائے ۔۔۔ رقص کرتا ہوا ساون کا مہینہ آجائے
حسن وہ گرمِ حقیقت ہی اللہ دے جو لقا ۔۔۔ کعبہ و دیر کے ماتھے پہ پسینہ آجائے

قطعات سنتے ہی جھوم اٹھے۔ فرمانے لگے " بس بس میرا مطلب یہی تھا کہ اس رجحان کی کوئی چیز اردو ادب میں آجانی چاہیئے۔" تاثیر صاحب جب اس جہان فانی سے کوچ کر گئے تو مجھے خیال پیدا ہوا کہ عمر خیام کو پڑھ لیا جائے چنانچہ جب میں نے عمر خیام کو اور مختلف زبانوں میں اس کی رباعیات کے تراجم کو بالتفصیل دیکھا تو مجھے یہ محسوس ہوا کہ خیام کے ساتھ انصاف نہیں ہوا اور تاثیر صاحب کی فرمائش بالکل حق بجانب تھی۔ یہی احساس ہے جو اس کتاب کی تصنیف کا باعث ہوا ہے۔

سید عبدالحمید عدم

غزل

زصد مہ فیضِ خرابات سُست رفتار است
کہ چشمِ یار ز ایام چند بیمار است

خدا تماشا بہ بیند، ہوا ستیزہ کند
بہ ورطۂ کشتیِ درویش گرم پیکار است

خیالِ محتسب و خوفِ خلق وجیب تہی
براہِ میکدہ حائل ہزار دیوار است

عدم زچاہِ خرابات یک دو قطرہ بیار
کہ عقل سُست وجنوں سرد و زیست بیمار است

پاکستان کا عمر خیام عدمؔ

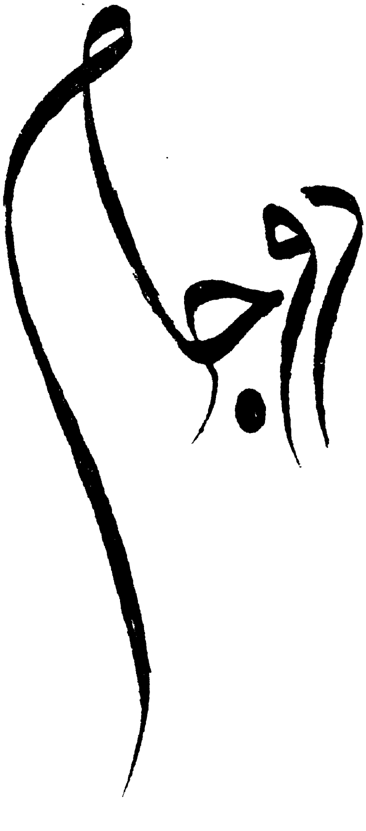

حکیم عمر خیّام

ما خرقہ زہد در سر خُم کردیم
وز خاکِ خرابات تیمم کردیم
باشد کہ درون میکدہ دریابیم
عمرے کہ درونِ مدرسہ گم کردیم

آخرِ کار نورِ دانش کو
زینتِ گیسوئے سیاہ کیا
میکدے میں وہ عمر ہاتھ آئی
مدرسے میں جسے تباہ کیا

یاراں چو باتفاق معیاد کنند
خود را بجمالِ یک دگر شاد کنند
ساقی چو مئے مغانہ درکف گیرد
بیچارہ فلاں را بہ دعا یاد کنند

اتفاقاً کبھی جو یار ملیں!
صورتِ بریط و بہار ملیں
یاد کرلیں ہمیں بھی بھولے سے
ایسے موقع اُنہیں ہزار ملیں

با بطے گفت ماہی در تب و تاب
باشد کہ بجوئے رفتہ باز آید آب
بط گفت کہ چوں من و تو گشتیم کباب
دنیا پسِ مرگِ ما چہ دریا چہ سراب

بط سے ماہی نے جب کہا جل کر
کیا ہو گر جوئے تن میں آب آئے
بط لگی کہنے جب کباب ہیں ہم
پھر سراب آئے یا حباب آئے

از گردشِ چرخ ہیچ مفہومم نیست
جُز رنجِ زمانہ ہیچ موہومم نیست
ہرچند بکارِ خویش درمے نگرم
عمرے بگزشت و ہیچ معلومم نیست

خاطرِ بے تپاک لے کے چلے
دامنِ چاک چاک لے کے چلے
تیرے بازار میں تیرے گاہک
سونا لائے تھے خاک لے کے چلے

آنہا کہ ز پیش رفتہ اند اے ساقی
در خاکِ مزار خفتہ اند اے ساقی
رو بادہ خور و حقیقت از من بشنو!
باد است ہر آنچہ گفتہ اند اے ساقی

لوگ جو جا چکے ہیں اے ساقی!
کوچ فرما چکے ہیں اے ساقی!
دے مئے ناب، ان کا ذکر نہ کر!
پھول مرجھا چکے ہیں اے ساقی!

قومے زگزاف در غرور افتادند
قومِ زپئے حور و قصور افتادند
معلوم شود چو پردہ ہا بردارند
از کوئے تو دُور دُور افتادند

کچھ خرابِ شعور رہتے ہیں
اور کچھ مستِ حور رہتے ہیں
مدعی تیرے، تیرے کوچے سے
جانِ من! کتنی دور رہتے ہیں

شمع است و شراب ماہتاب اے ساقی
شاہد ز شراب ہم خراب اے ساقی
از خاک برآر، ایں دلِ پُر آتش را
بر باد مدہ، بیار آب اے ساقی

شمع و ماہ و شراب ہے ساقی
شاہدِ بے حجاب ہے ساقی
آج ماحول کی مروت تک
میری نیت خراب ہے ساقی

با زلفِ تو گردست درازی کردم
از روئے حقیقت نہ مجازی کردم
در زلفِ تو دیدم دلِ دیوانۂ خویش
من با دلِ خویش دستبازی کردم

میرا ہاتھ اور تیری جواں کاکل
ایسا از روئے اتفاق ہوا
دل کو دیکھا تھا تیری زلفوں میں
دل سے کچھ خندہ و مذاق ہوا

صحرا رخِ خود ز ابرِ نوروز نشست
این دہرِ شکستہ دل تو گشت درست
با سبز خطے و سبزہ زارے مے خور
بر یادِ کسے کہ سبزہ از خاکش رُست

ابرِ نوروز سے رُخِ صحرا
صورتِ شیشۂ مراد دُھلا
مُطرب و ساز و گل مہیّا کر
وہ چلی مے ، وہ بندِ یار کھلا

گویند کہ ماہِ رمضان گشت پدید
من بعد بہ گردِ بادہ نتواں گردید
در آخرِ شعبان خورم چنداں مے
کاندر رمضاں مست بیفتم تا عید

کہہ رہے تھے مہِ صیام آیا
مجھ کو اِس درجہ احترام آیا
میں نے شعبان میں وہ صہبا پی !
عید تک جس کا کیف کام آیا

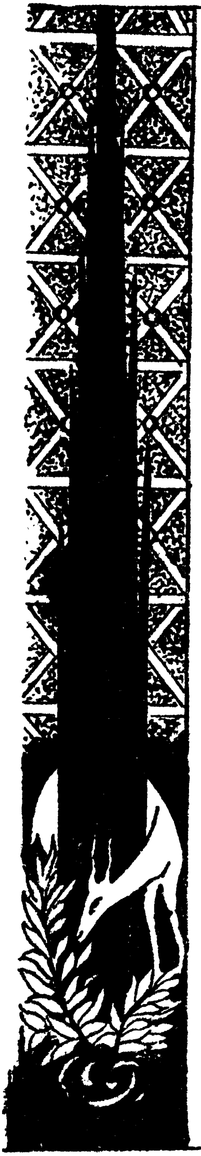

ہر سبزہ کہ بر کنارِ جوئے رستہ است
گویا زلبِ فرشتہ خوئے رستہ است
پا بر سرِ سبزہ ۔ بخواری نہ نہی !
کاں سبزہ ز خاکِ لالہ روئے رستہ است

ساحلِ جو کے سنبل و ریحاں
حسرتِ رفتگاں کے ڈیرے ہیں
پاؤں آہستہ رکھ کہ رستے میں
دردمندوں نے دل بکھیرے ہیں

بت گفت به بت پرست کائے عابدِ ما
دانی که چه روئے گشته ای ساجدِ ما
بر ما بجمالِ خود تجلی کر دست
آنکس که ز تست ناظر و شاهدِ ما

بت نے یہ بت پرست سے ہنس کر کیا خطاب
تو جانتا بھی ہے کہ تو کیوں بت پرست ہے
ڈالی ہے مجھ پہ بھی اسی کافر نے روشنی
جو تیری بیخودی کے تماشے میں مست ہے

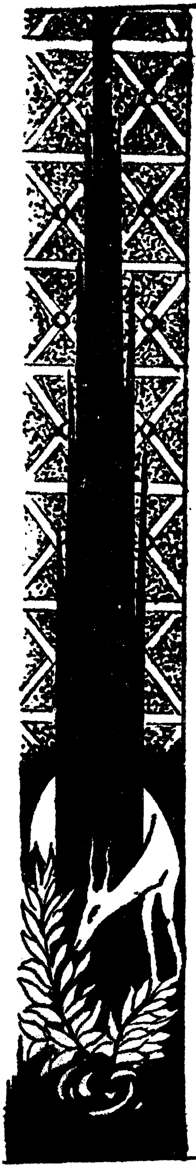

در ہر دشتے کہ لالہ زارے بوداست
آں لالہ ز خونِ شہریارے بوداست
ہر برگِ بنفشہ کز زمیں مے روید
خالیست کہ بر رُخِ نگارے بوداست

جنگل میں جو بھی لالہ اُگا ہے نمود کا!
اس کی رگوں میں خون ہے کسی شہریار کا
پتّا ہر ایک شاخِ بنفشہ کا ساقیا
ہے خال رُخ کسی نہ کسی عشوہ کار کا

نیکی و بدی کہ در نہادِ بشر است
شادی و غمی کہ در قضا و قدر است
با چرخ مکن حوالہ کاندر رہِ عقل
چرخ از تو ہزار بار بیچارہ تر است

نیک و بد جو ترے نہاد میں ہے
شادی و غم جو تری یاد میں ہے
اس کو منسوب کر نہ گردوں سے
وہ تو خود سیلِ گردباد میں ہے

گردوں زر زمیں ہیچ گلے بر نادر !
کس نشکند و بازگلِ بپارد !
گر ابر چو آب و خاک را بر دارد
تا حشر ہمہ خونِ عزیزاں بارد

مٹ کے جو پھر نہ جزوِ خاک ہوا
پھول ایسا بھی کوئی کھل پایا !!!
ہیں کلی کی قبا پہ آنکھ رکھی !!!
مرقدِ داغہائے دل پایا !!!

ما عاشقِ آشفتہ و مستیم امروز
در کوئے بتاں بادہ پرستیم امروز
از ہستیٔ خویشتن بکلی رستہ
پیوستہ بہ محرابِ الستیم امروز

مست و آشفتہ و خراب ہیں ہم
رندِ مے خانۂ شباب ہیں ہم
کل تھے کانٹوں کے قرب سے زخمی
آج ہمسایۂ گلاب ہیں ہم

جاناں یکدام دست برخاستہ ای
کز طلعت خویش ماہ را کاستہ ای
خوبانِ جہاں بہ عید رُو آرائیند
تو عید بروئے خویش آراستہ ای

رُوح تھی سرد ہو گئی تازہ!
وقت تھا ماند ہو گیا روشن!
جب مری ہاجرہ طلوع ہوئی!
عید کا چاند ہو گیا روشن!

در دہر کسے بہ گلعذارے نہ رسید
تا بر دلش از زمانہ خارے نہ رسید
در شانہ نگر کہ تا بصد شاخ نہ شد
دستش بہ سرِ زلف نگارے نہ رسید

جس کے دل کو نہ نوکِ خار ملی!
اس کو کب نکہتِ بہار ملی!
شانہ چھلنی ہوا تو تب جا کر
خدمتِ گیسوئے نگار ملی!

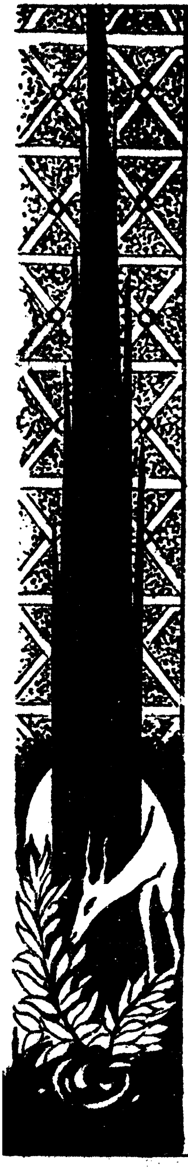

در مجلسِ دہر سازِ مستی پست است
نے چنگ و نہ نائی ولم در دست است
رنداں ہمہ ترکِ مے پرستی کردند!
جز محتسبِ شہر کہ دائم مست است

صبح و شام اس کے قصرِ دانش ہیں
اب بھی بند و بست رہتا ہے
میکشوں نے جو چھوڑ دی ہے مے
محتسب غرق و مست رہتا ہے

مے اگرچہ حرام است مدامش مے نوش
با نغمۂ چنگ صبح و شامش مے نوش
جامے ز مئی لعل گرت دست دہد
یک قطرہ رہا مکن تمامش مے نوش

مے اگرچہ حرام پی جاؤ
بادۂ خندہ فام پی جاؤ
نکہتِ گل سے ہے خمیر اُس کا
نکہتِ گل تمام پی جاؤ

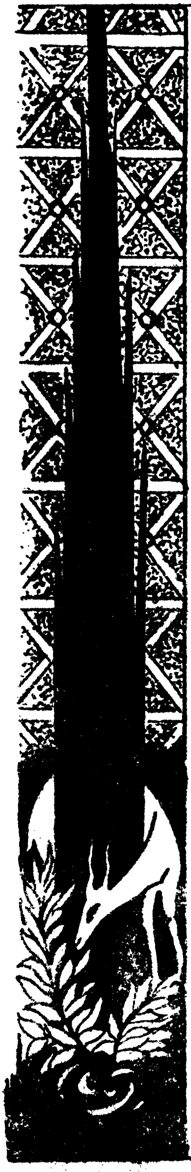

امروز کہ نوبت جوانی من است
مے نوشم ازآنکہ کامرانی من است
عیبش مکنید زآنکہ تلخ است خوش است
تلخ است ازآنکہ زندگانی من است

نوجوانی کے عہدِ رنگیں میں!
جز مئے ناب اور کیا پینا!
ایک ہی خاصیت ہے دونوں کی
تلخ ہے جام، تلخ ہے جینا

مقصود ز جملہ آفرینش ما ایم
در جسم خرد جوہرِ بینش ما ایم
ایں دائرۂ جہاں چوں انگشتری ہست
بے ہیچ شکے نقشِ نگینش ما ایم

حاصلِ جوہرِ حیات ہیں ہم
رونقِ بزمِ کائنات ہیں ہم
وہ تو خلاق ہے کہانی کا
اس کے قصے کے واقعات ہیں ہم

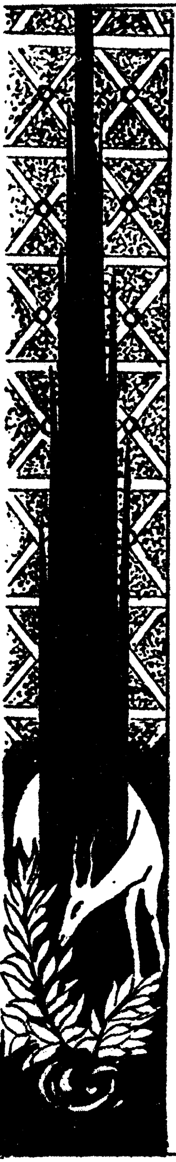

گویند کہ مے پرستم ہستم!
گویند مرا عارف و مستم ہستم
در ظاہر من نگاہ بسیار مکن!
کاندر باطن چنانکہ ہستم ہستم

لوگ کہتے ہیں کہ مے پرست ہوں میں
عارفِ ذات و حال مست ہوں میں
مجھ کو اتنی خبر ہے اے ساقی!
تیرا دریوزۂ الست ہوں میں

خواہی کہ ترا رتبۂ اسرار رسد
مپسند کہ کس را ز تو آزار رسد
از مرگ میندیش و غم رزق مخور
کیں ہر دو بوقتِ خویش ناچار رسد

آدمی کے عمل ہیں جو اُس کو
صاحبِ مرتبہ بناتے ہیں
رزق اور موت وہ تو مجبوراً
وقت پر اپنے آ ہی جاتے ہیں

جانم بہ فدائے آنکہ او اہل بود!
سر در قدمش اگر نہم سہل بود
خواہی کہ بدانی بہ یقیں دوزخ چیست
دوزخ بہ جہاں صحبتِ نا اہل بود

صحبتِ ناکساں جہنم ہے!
اہلِ دل حسنِ خو پہ مرتے ہیں
شرط یہ ہے کہ بے شعور نہ ہو
دوست کیا ہم عدو پہ مرتے ہیں

ابر آمد و باز بر سر سبزہ گریست
بے بادہ ارغواں نمے باید زیست
امروز کہ ایں سبزہ تماشا گہِ ماست
تا سبزۂ خاک تماشا گہِ کیست

پھر گھٹا آئی اشکبار ہوئی
نوحہ آرائے سبزہ زار ہوئی
آج جو ہے ہماری مونس ہے
جانے کل کس کی غم گسار ہوئی

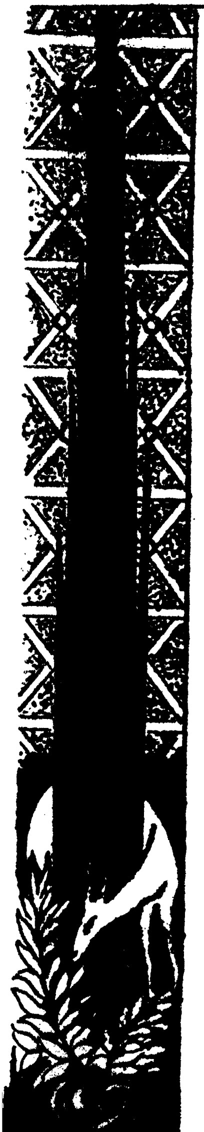

اے دل چو زمانہ ے کند غمناکت
ناگہ برود زتن رواں پاکت
برسبزہ نشیں وخوش بزی روزے چند
زاں پیش کہ سبزہ بردمد از خاکت

سبزہ و گل کی شادکامی سے
لطف اٹھا اور برگزیدہ ہو
اس سے پہلے کہ تیری مٹی سے
سبزہ رائیگاں دمیدہ ہو

گر بادہ خوری تو با خردمنداں خور
یا با صنمِ سادہ رخے خنداں خور
بسیار مخور، ورد مکن، فاش مساز
اندک خور و گہہ گہہ خور و پنہاں خور

پھولوں کے ساتھ ناچ، ستاروں کیساتھ پی
یا سادگی پسند نگاروں کے ساتھ پی
افزوں نہ پی، خراب نہ ہو، ہوش مت گنوا
تھم تھم کے چھپ چھپکے یاروں کیساتھ پی

وقتِ سحر است، خیز اے مایۂ ناز
نرمک نرمک بادہ خور و چنگ نواز
کانہا کہ بجا نیند، نپاید دراز
وانہا کہ شدند، کس نمے آید باز

نیند سے جاگ اے ستارہ جبیں
بادۂ نرم پی، رباب اٹھا
زیست اک نکہتِ گریزاں ہے
شیشۂ آب و گل شتاب اٹھا

آنہا کہ کشندۂ شراب ناب اند
وانہا کہ بشب مدام در محراب اند
بر خشک کسے نیست ہمہ در آب اند
بیدار یکے ست دیگراں در خواب اند

وہ جو صہبا کشید کرتے ہیں!
کیا خطائے سعید کرتے ہیں
بخشتے ہیں جلا جوانی کو
روشنی کو مرید کرتے ہیں

دوش از سرِ رُوح از صفائے دلِ من
در میکدہ آں روح فزائے دلِ من
جامے بمن آورد کہ بستان و بنوش
گفتم نخورم، گفت برائے دلِ من

جب ضرورت پڑی مجھے مے کی!
حفظِ اجزائے زندگی کے لئے!
اس ستارہ جبیں نے آپ کہا!
پی مری جاں، مری خوشی کے لئے

خورشید کمندِ صبح بر بام افگند
کیخسروِ روز بادہ در جام افگند
مے خور کہ منادیٔ سحر گہ خیزاں
آوازہ زسرِّ تو در ایام افگند

جاگ ساقی کہ حجلۂ شب میں
ایسا کنکر سحر نے مارا ہے
جامِ درویش کی بساط ہی کیا
جامِ سلطاں بھی پارہ پارہ ہے

آں قصر کہ بہرام درد جام گرفت
آہو بچہ کرد و شیر آرام گرفت
بہرام کہ گور مے گرفتے ہمہ عمر
بنگر کہ چگونہ گور بہرام گرفت

جس محل میں وہ جام پیتے تھے!
کل وہاں بُوم اور چیتے تھے!
آج یہ حشر ان کا ہے جو کل
اتنے نازو نعم سے جیتے تھے

آں قصر کہ بر چرخ ہمے زد پہلو
بر درگہِ او شہاں نہادندے رُو
دیدیم کہ بر کنگرہ اش فاختہ
بنشستہ ہمے گفت کہ کُو کُو کُو کُو

فاختہ کل محل کے کنگرے پر
کہہ رہی تھی یہ اندھیر ہوا
جس کا درباں تھا آسماں کل تک
کیا وہ زہرہ جبیں بھی ڈھیر ہوا

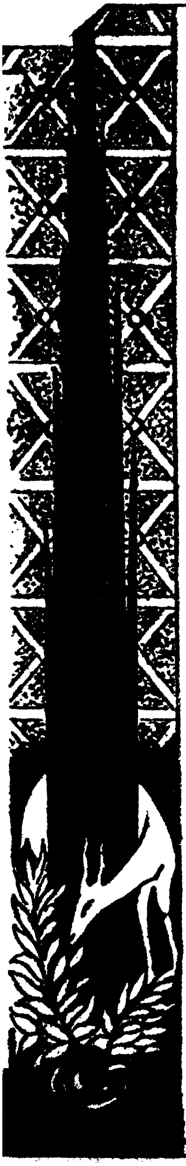

بر مفرشِ خاک خفتگاں مے بینم!
در زیرِ زمیں نہفتگاں مے بینم!
چنداں کہ بہ صحرائے عدم مے نگرم
با آمدگان و رفتگاں مے بینم

کچھ تو بالائے ارض سوئے ہیں
اور کچھ زیرِ خاک سوئے ہیں
رات انجامِ زیست پر ساقی
شبنم و غنچہ کتنے روئے ہیں

افسوس کہ سرمایہ زکف بیروں شد
در دستِ اجل بسے جگر ہا خوں شد
کس نامد ازاں جہاں کہ تا پرسم ازو
کاحوالِ مسافرانِ عالم چوں شد

پوچھا پیرِ مغاں سے جب میں نے
جانے والوں کی کچھ خبر آئی
گر گیا آہ بھر کے پیمانہ!
اور صراحی کی آنکھ بھر آئی!

از جملۂ رفتگانِ ایں راہ دراز
باز آمدۂ کو کہ بہ ما گوید راز
زنہار دریں سراچہ از روئے نیاز
چیزے نگزاری کہ نمے آئی باز

جانے والا نہ کوئی بھی لوٹا!
پوچھئے کس سے حال رستے کا
مل مِلا لے عزیز یاروں سے
جاں گزا ہے ملال رستے کا

آمدِ سحرے ندا ز مے خانۂ ما
کے رندِ خراباتی و دیوانۂ ما
برخیز کہ پُر کنیم پیمانہ زِ مے
زاں پیش کہ پُر کنند پیمانۂ ما

کل صبح خرابات سے آئی یہ ندا
اٹھ جاگ صراحی مئے خنداں کی اٹھا
کب ٹوٹ کے ہو جاتا ہے ریزہ ریزہ
پیمانۂ ہستی کا نہیں کوئی پتا

در کارگہِ کوزہ گرے بودم دوش!
دیدم دو ہزار کوزہ گویا و خموش!
ہر یک بہ زبانِ حال با من مے گفت
کو کوزہ گر و کوزہ خر و کوزہ فروش!

کل شب جو دکانِ کوزہ گر سے گزرا
بھیگی ہوئی مٹی کے ذخیرے دیکھے
ہر طفلِ پیالہ گر کی کف پر میں نے
تاریخ کے ٹوٹے ہوئے ہیرے دیکھے

گُل گفت کہ من یوسفِ مصرِ چمنم
یاقوتِ گراں مایہ و پُرزر دہنم
گفتم چو تو یوسفی ۔ نشانی بنمائی!
گفتا کہ بخوں غرق نگر پیرہنم

پھول نے جب کہا میں یوسف ہوں
قاشِ یاقوت ہے دہن میرا
میں نے پوچھا کوئی ثبوت اس کا
ہنس کے بولا یہ پیرہن میرا

معشوق کہ عمرش چوں غم بود دراز !
امروز تلطفے بہ من کرد آغاز
بر چشم من انداخت دمے چشم و برفت
یعنی کہ نکوئی کن و در آب انداز

رکھ کے لب میرے تشنہ ہونٹوں پر
دل کی کچھ حسرتیں نکال گیا!
آج آیا تھا وہ ستارہ جبیں!
نیکی کر کے کنوئیں میں ڈال گیا!

توبہ مکن از مے اگرت مے باشد
صد تائب بادغات درپے باشد
گل جامہ دراں و بلبلاں نعرہ زناں
در وقتِ چنیں، توبہ روا کے باشد

توبہ نہ کر ایاغ اٹھا، رنگ وقت دیکھ
رو میں شفق ہے رقص میں آہنگِ شام ہے
گل جامہ در ہیں اور عنادل خروش زن
ایسے میں مے نہ پینا سراسر حرام ہے

مہتاب بہ نور دامنِ شب بشگافت
مے خور کہ دمے خوشتر ازاں نتواں یافت
خوش باش، بیندیش کہ مہتاب بسے
اندر سرِ خاک سر بسر خواہد یافت

اس وقت جبکہ چاند ہے پورے شباب پر
دے جان یار خوش لب و جام و شراب پر
خوش باش ایک لمحہ کہ ظلمات کا غلاف
چڑھنے کو ہے وجودِ شب ماہتاب پر

ابریق مئے مرا شکستی ربّی
برمن درِ عیش را بہ بستی ربّی
برخاک فگندی مئے گلگون مرا
خاکم بہ دہن، مگر تو مستی ربّی

ابریق مئے ناب کو توڑا تو نے
اک قطرۂ صہبا بھی نہ چھوڑا تو نے
خاکم بہ دہن کتنا بیہودی ہے تو
خونِ دلِ درویش نچوڑا تو نے

ناکردہ گناہ، در جہاں چیست بگو
آنکس کہ گنہ نکرد چوں زیست بگو
من بد کنم و تو مکافات دہی
پس فرق میانِ من و تو چیست بگو

ہے کون گناہ جس نے نہ کوئی بھی کیا
بے لغزشِ مستانہ یہاں کون جیا
کرتا ہوں میں جرم اور تو دیتا ہے سزا
اے واہ رے ستار و خطا پوش پیا

سر از ہمہ ناقصاں گراں داری تو
راز از ہمہ ابلہاں نہاں داری تو
بنگر کہ میانِ مرد کارِ تو چیست
چشم از ہمہ مرد ماں ہماں داری تو

تکیہ رکھ ہمدمِ موافق پر
راز اپنا کسی پہ فاش نہ کر
خود تجھے آ ملے گا یار ترا
یار کو اس قدر تلاش نہ کر

در چشمِ محققاں چہ زیبا و چہ زشت
منزل گہِ عاشقاں چہ دوزخ چہ بہشت
پوشیدنِ بے دلاں چہ اطلس چہ پلاس
زیرِ سرِ عاشقاں چہ بالیں و چہ خشت

خوب اور زشت میں تفاوت کیا
کچھ بھی حسبِ سرشت مِل جائے
گر سرہانہ نہیں تو سر کے لئے
کوئی موزوں سی خِشت مِل جائے

اے خواجہ یکے کام روا کن مارا
دم درکش و درکارِ خدا کن مارا
ما راست رویم و تو کج بینی!
رو چارۂ دیدہ کن، رہا کن مارا

اپنی تاریک و پست فطرت کو
جامِ شفاف و آبِ صافی دے
میں بجا رَو ہوں اور تو کج بیں!
جا خدا کے لئے معافی دے

در مسجد اگرچہ بانیاز آمدہ ایم!
حقا کہ نہ از بہرِ نماز آمدہ ایم!
زینجا روزے سجادۂ دزدیدہ ایم!
آں کہنہ شدہ است، باز آمدہ ایم!

صحنِ مسجد میں ایک دو حاجی
دین کی تکمیل کرنے آئے ہیں
صف چرا کر جو لے گئے تھے کبھی
اس کو تبدیل کرنے آئے ہیں

بر سنگ زدم دوش سبوئے کاشی
سرمست بُدم کہ کردم ایں اوباشی
با من بزبانِ حال مے گفت سبو
من چوں تو بُدم، تو نیز چوں من باشی

کل سبو کو جو سنگ پر مارا
ناخنِ ہوش چنگ پر مارا
میری دیوانگی نے لہرا کر
قہقہہ نام و ننگ پر مارا

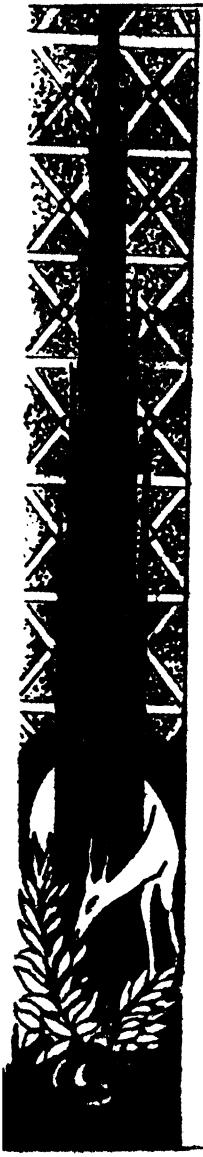

از نامده ہا زرد مکن چہرۂ خویش!
وز آمده ہا آب مکن زہرۂ خویش!
بردار ز نیائے دُنی بہرۂ خویش!
زاں پیش کہ دہر برکشد دہرۂ خویش

جب خزاں آگئی ہے گلشن میں
کیوں خزن سر گز بر کریں
آ کہ زہرہ وشوں کے جھرمٹ میں
دورِ ساغر کو اور تیز کریں

گویند مرا چو سور با حور خوش است
من مے گویم کہ آب انگور خوش است
ایں نقد بگیر و دست ازاں نسیہ بشو
کآواز دہل شنیدن از دور خوش است

حور و غلماں کوثر و جنت!
سب ضرورت کے شاخسانے ہیں
پاس کے قصر کتنے ویراں ہیں
دور کے ڈھول کیا سہانے ہیں

گویند بہشت و حورعین خواہد بود
آنجا مئے و شیر و انگبیں خواہد بود
گر ما مے و معشوق پرستیم رواست
چوں عاقبتِ کار ہمیں خواہد بود

شیخ صاحب سنا ہے جنت میں
شاہد و مطرب و سبو ہوں گے
ہم تو خیر ایک رند کہنہ ہیں
آپ کس طرح سرخرو ہوں گے

فصلِ گل و طرفِ جوئبار و لبِ کشت
با یک دو سہ تازہ لعبتے حور سرشت
پیش آر قدح کہ بادہ نوشانِ صبوح
آسودہ ز مسجد اند و فارغ ز کنشت

فصلِ گل اور مہ وشوں کا ہجوم
دورِ رحمت ہے، دورِ جام نہیں
لا پیالہ کہ ایسی رُت میں ہمیں!
دیر و کعبہ سے کوئی کام نہیں

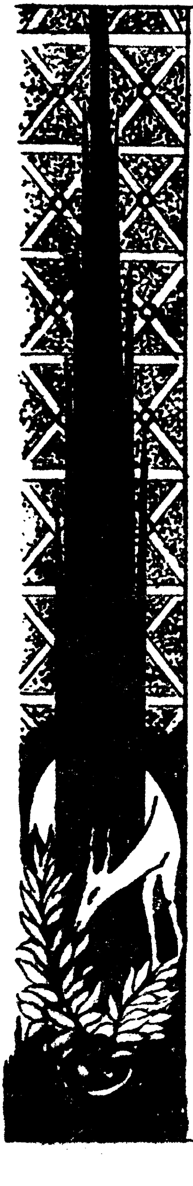

از مے طرب و نشاط و مردی خیزد
درجمع کتب خشکی و سردی خیزد
رو بادہ بخور سرخرو خواہی ماند
کز خوردنِ سبزہ شکل زردی خیزد

مے سے تعبیر ہے جواں مردی
علم سے یاس و خشکی و سردی
تجھ کو کیا شے ہے اے حسین مرغوب
زیست کی چھب کہ موت کی زردی

وقتِ سحر است خیز ای طرفہ پسر
پر بادۂ لعل کن بلوریں ساغر
کیں یکدم عاریت دریں کنج فنا
بسیار بجوئی و نہ یابی دیگر!

بادۂ ارغواں سے بھر ساغر
یہ سحر کا سماں کب آئے گا!
اس دمِ مستعار کو پیارے!
کتنا ڈھونڈے گا پھر نہ پائے گا

ہاں تا یا خراباتِ مجازی ، نائی
تا در قلندری نہ سازی ، نائی
ایں رہ رہِ مردانِ سرافرازاں ہست
زنہار دریں کوچہ ، بہ بازی ، نائی

یوں خرابات کا طوائف نہ کر
میگساروں پہ ہاتھ صاف نہ کر
یہ رہِ مخلصانِ مقصد ہے !
اِس میں اخلاص کے خلاف نہ کر

گر دست دہد ز مغزِ گندم نانے
وز مے دو منے گوسپندے رانے
با ماہ رخے نشستہ در ویرانے
عیشی است کہ نیست حدِ ہر سلطانے

ہے رانِ گوسپند بھی۔ گندم کا نان بھی
مے بھی ترے سبو میں بقدرِ خمار ہے
جنگل ہے اور چاند سے زائد حسیں کنیز
اے یار کون تجھ سے بڑا شہریار ہے

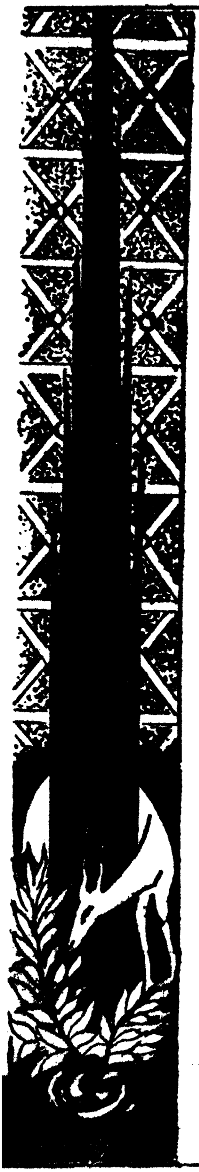

زاں پیش کہ گورے زمن آگندہ شود
واجزائے مرکبم پراگندہ شود
اے بادہ سر از گورے صراحی بود
باشد کہ دلِ مردۂ من زندہ شود

اس سے پہلے کہ زندگی کا کنول
موت کی گرم لو سے جل جائے
دخترِ رز کو ڈھونڈ کر لاؤ!
کیا عجب ہے کہ وقت ٹل جائے

خیام زمانہ از کسے دارد ننگ
کہ از غمِ ایّام نشیند دل تنگ
مے خور تو در آبگینہ با نالۂ چنگ
زاں پیش کہ آبگینہ آید بر سنگ

جشن ہم مجلسی و مے نوشی!
با سرود و خروش ہو جائے
اس سے پہلے کہ آبگینۂ مے
ٹوٹ کر خواب دوش ہو جائے

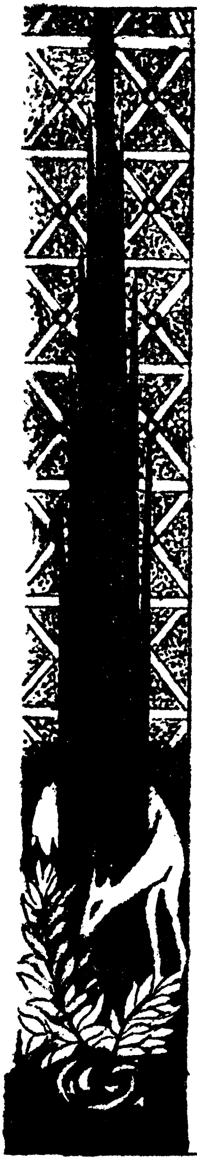

جانا! من و تو نمونۂ پرکاریم
سرگرچہ دو کردہ ایم یک تن داریم
بر نقطۂ روانیم کنوں دائرہ وار
تا آخرِ کار سر بہم باز آریم

نیک دل آدمی نمونے ہیں!
ایک مرکز کی دو لکیروں کے!
آخرِ کار مٹ ہی جاتے ہیں
اختلافات ہم ضمیروں کے

اجرام کہ ساکنانِ ایں ایوان اند
اسبابِ تردّد خردمندان اند
ہاں تا سرِ رشتۂ خرد گم نہ کُنی!
کاناں کہ مدبّر اند ۔ سرگرداند

سوچ والے تمام نالاں ہیں
عقل والے تمام حیراں ہیں
آسرا جن کا ہے توکل پر
ہیں تو کچھ وہ فقیر خنداں ہیں

کردیم دگر شیوۂ رندی آغاز
تکبیرے نمے زنیم بر پنج نماز
ہر جا کہ پیالہ ایست، مارا بینی!
گردن چو صراحی سوئے او کردہ دراز

ہم اور طرز سے عرضِ نیاز کرتے ہیں
بغیرِ صوت و تکلّم نماز کرتے ہیں
پیالہ دیکھتے ہیں مے کا جس جگہ، گردن
وہیں مثالِ صراحی دراز کرتے ہیں

رفتم بخرابات بہ ایمانِ درست
زنارِ مغاں را بمیاں بستم چست
شاگردِ خرابات زبدنامیٔ من !
رختم بدر افگند و خرابات بشست

صدق سے مے کدے میں آئے تھے
ارمغانِ نیاز لائے تھے !
مغبچے لیکن اس طرح بدکے
جیسے ہم دوپہر کے سائے تھے

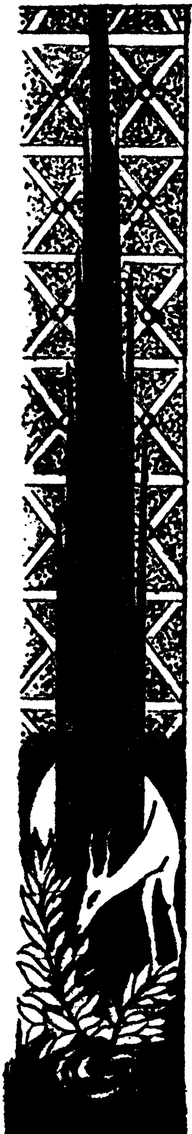

غم چند خوری بکارِ نا آمدۂ پیش!
رنج است نصیبِ مردمِ دور اندیش!
خوش باش و جہاں تنگ مکن بر دلِ خویش
کز خوردنِ غم ۔ قضا نہ گردد کم و بیش

فکرِ فردا میں کیوں پریشاں ہے
ہیں اٹل قسمتوں کے پیمانے!
چار دن ہیں گذار دے ہنس کر!
عاقبت کی خبر خدا جانے!

روز الیست خوش و ہوا نہ گرم است سرد
ابر از رخِ گلزار ہمے شوید گرد!
بلبل بزبانِ حال خود با گلِ زرد!
فریاد ہمے زند کہ مے باید خورد

تھم چکا ہے برس کے ابرِ سخا!
چل رہی ہے نسیمِ روح فزا!
بلبلیں کہہ رہی ہیں پھولوں سے
آج موسم ہے مے گساری کا

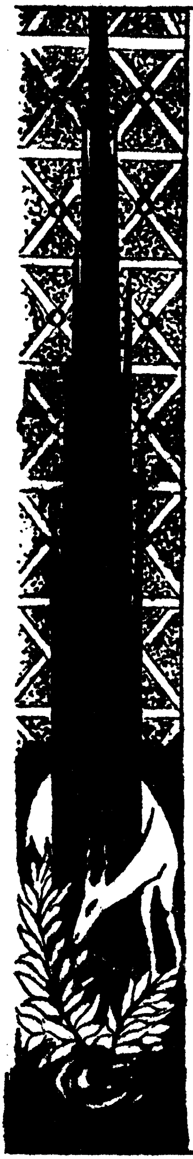

بر روئے گل از ابر نقاب است ہنوز
در طبعِ دلم میل شراب است ہنوز
در خواب مرو، چہ وقتِ خواب است ہنوز
جاناں مے خور کہ آفتاب است ہنوز

روئے غنچہ پہ ہے سحاب ابھی
گرم ہے نبضِ آفتاب ابھی
اے مرے باغِ دل کی شہزادی
نوش کر، نوش کر شراب ابھی

در مجلسِ عشاق نشستیم ہمہ!
از محنتِ ایّام برستیم ہمہ!
از بادۂ شوقش قدحِ مے نوشیدیم
آزادہ و آسودہ و مستیم ہمہ!

مجلسِ عاشقاں میں بیٹھ گئے
حلقۂ مہ وشاں میں بیٹھ گئے
موت کی خانقاہ سے اٹھ کر
زندگی کے مکاں میں بیٹھ گئے

در دہ پسر آں مے کہ جہاں را تاب است
زاں مے کہ گلِ نشاط را مہتاب است
بشتاب کہ آتش جوانی آب است
دریاب کہ بیداریٔ دولت خواب است

وہ مے دے جو روحِ خرابات ہے
جوانی کی چھب خواب کی بات ہے
کھلی چاندنی کی ذرا قدر کرو!
کہ کل پھر اندھیروں بھری رات ہے

گر بر فلکم دست بُدے چوں یزداں
برداشتمے من ایں فلک راز میاں
از نو فلکِ دگر چناں ساختمے!
کز د بکامِ دل رسیدے آساں

گر چرخ پہ ہیں صورتِ یزداں ہوتا
اس ڈھب سے نہ پھر چرخ یہ گرداں ہوتا
اس چرخ کی ہر کنجِ حسیں ہیں ساقی!
تو ہوتا سبو ہوتے گلستاں ہوتا

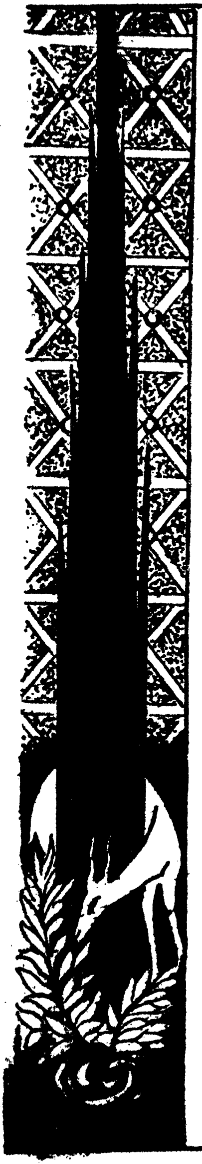

بشنو ز من اے زبدۂ یارانِ کہن
اندیشہ مکن زین فلکِ بے سروبن
برگوشۂ عرصاتِ قناعت بنشیں
بازیچۂ چرخ را تماشائے کن!

اے زبدۂ یارانِ خرد فکر نہ فرما
اس گردشِ مبسوط سے کچھ آگے نکل جا
کچھ روز خرابات کے روزن سے بھی پیارے
بازیچۂ افلاک کا کر چھپ کے تماشا

گر مے نخوری طعنہ مزن مستاں را
گر دست دہد توبہ کنم یزداں را!
تو فخر بدیں کنی کہ من مے نخورم!
صد کار کنی کہ مے غلام است آں را

طعنہ زن ہو نہ شیخ مستوں پر
صرف اک مے نہ پی تو کیا خوبی
سینکڑوں فعل ایسے کرتا ہے!
مے بھی ادنیٰ کنیز ہے جن کی

یک یک ہنرم و گنہ دہ دہ بخش
ہر جرم کہ رفت حسبۃً للہ بخش
از بادِ ہوا آتشِ کیں را مفروش
مارا بدرِ خاکِ رسول اللہ بخش

ایک خوبی بھی جس میں ہو یارو!
اس کی سو خامیاں معاف کرو
عیب جوئی بہت بری شے ہے
عیب جوئی سے انحراف کرو

شیخے بزنِ فاحشہ گفتا مستی!
ہر لحظہ بدامِ دیگرے پابستی!
گفتا شیخا ہر آنچہ گوئی ہستم
اما تو چنانچہ مے نمائی ہستی

اک فاحشہ عورت سے مقدس نے کہا
بدمست ہے کس درجہ تو اے ننگِ حیا
عورت نے کہا شیخ بجا ہے لیکن
تو اپنے گریباں میں تو منہ ڈال ذرا!

بشگفت شگوفہ مے بہار، اے ساقی
دست از عملِ زہد بدار اے ساقی
زاں پیش کہ اجل کمیں کند، روزے چند
جامِ مے لعل و روئے یار اے ساقی

مے کا شگوفہ پھوٹا ساقی زہد کے سر پر مٹی ڈال
اپنا اپنا مسلک اچھا اپنے اپنے اشک زلال
موت کی ڈولی عمر کی دلہن کوچ کی ساعت یار کی دھن
آج تو اپنے ساتھ ہمیں بھی وحدت کے سانچے میں ڈھال

ایں چرخِ فلک بہرِ ہلاکِ من و تو
قصدے دارد بجانِ پاکِ من و تو
بر سبزہ نشیں، پیالہ کش، دیر نماند
تا سبزہ بروں دمد ز خاکِ من و تو

یہ فلک دشمنِ عزیزاں ہے!
دشمنِ جملہ خوش تمیزاں ہے!
لیکن اے دوست خوب پی جبتک
رقص میں مجمعِ کنیزاں ہے!

ایں قافلۂ عمر عجب مے گزرد
دریاب دمے کہ باطرب مے گزرد
ساقی غمِ فردائے حریفاں چہ خوری
پیش آر پیالۂ کہ شب مے گزرد

عمر بر ہم نفس عجب گزری!
رُوٹھی رُوٹھی سی پر غضب گزری!
زلفِ جاناں کھلی تو دن ڈوبا!
جام صہبا ملا تو شب گزری!

گر بادہ بہ کوہ در دہی رقص کند
ناقص بود آنکہ بادہ را نقص کند
از بادہ مرا توبہ چہ مے فرمائی!
روحیست کہ او تربیت شخص کند

دُور ہر عیب و نقص کرتی ہے
رُوح میں ڈھل کے رقص کرتی ہے
مے تو ہے تربیت محاسن کی!
مے تو تہذیب شخص کرتی ہے

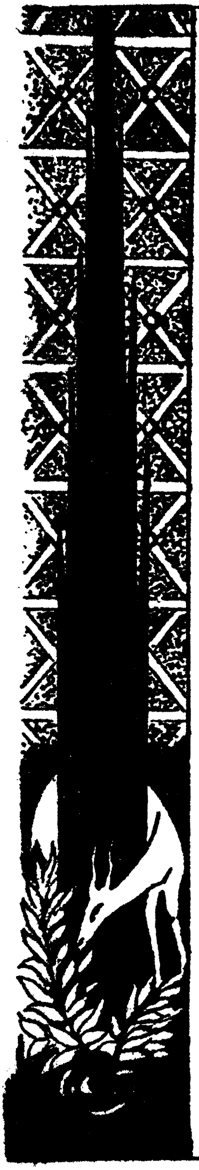

از واقعۂ ترا خبر خواہم کرد
واں را بہ دو حرف مختصر خواہم کرد
با عشق تو در خاک فرو خواہم کرد
با مہر تو سر خاک بر خواہم کرد

اک واقعہ عجیب تجھے میں سناؤں گا!
اک معجزہ جدید تجھے میں دکھاؤں گا!
جل کے ترے عتاب کی گرمی سے خاک میں
تیرے کرم کی آگ سے پھر سر اٹھاؤں گا!

در راہِ تو تا اسپِ طرب تاختہ ایم!
با عیش و طرب دمے نہ پرداختہ ایم
قصّہ چہ کنیم باب نشناختہ ایم
در منزلِ دُزد آشیاں ساختہ ایم

جب سے ہیں راہِ شوق میں گرداں
کوئی سایہ نظر نہیں آیا!
شکر ہے دیر بعد چوروں کا!
قریۂ دل نشیں نظر آیا!

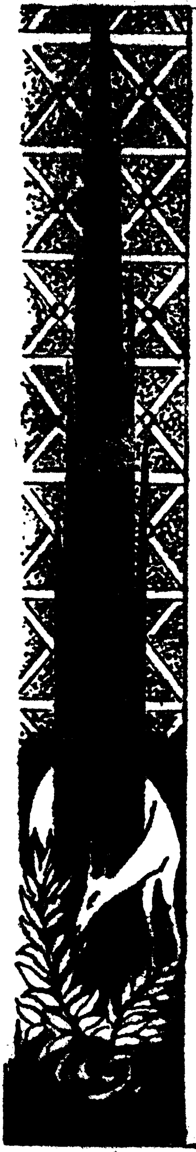

خیّام اگر بادہ پرستی خوش باش
یا سادہ رخے اگر نشستی خوش باش
چوں عاقبتِ کارِ جہاں نیستی ہست
آنکار کہ نیستی چوں ہستی خوش باش

یار! خیّام! اگر شرابی ہے
ہمدمِ چہرۂ کتابی ہے
زندگی ہی نہیں تری سرخوش!
عاقبت بھی تری گلابی ہے!

همدستِ من تشنه بجامے نه رسید
هم پائے تمنا به مقامے نه رسید
وان دل که بماند و بود در ناکامی
هم عاقبت الامر بکامے نه رسید

دشتِ تشنہ نہ جام تک پہنچا
قلبِ محزوں نہ کام تک پہنچا
بجھ گیا جو ترے تغافل سے
وہ سویرا نہ شام تک پہنچا

آنہا کہ محیطِ فضل و آداب شدند
در کشفِ علوم شمعِ اصحاب شدند
رہ زیں شبِ تاریک نہ بُردند برون
گفتند فسانۂ، و در خواب شدند

وہ جو شمعِ رخِ زمانہ ہوئے!
فضل و آداب میں یگانہ ہوئے!
رات ان کی بھی چین سے نہ کٹی!
خواب میں بات کی۔ فسانہ ہوئے!

این چرخِ جفا پیشہ دعائے بنیاد
ہرگز گرہِ بستۂ کس را نکشاد
ہر جا کہ یکے دید کہ داغے دارد
داغِ دگرش بر سرِ آں داغ نہاد

آسماں نے جہاں میں کس کو!
بامراد اور شاد کام کیا!
جس جگہ اہتمامِ غم دیکھا!
اور بھی غم کا اہتمام کیا!

در فصلِ بہار اگر بتِ حور سرشت
پُر مے قدحِ دہد مرا بر لب کشت
گرچہ بہ ہر کس ایں سخن باشد زشت
سگ بہ ز من ار دگر برم نام بہشت

فصلِ گل میں کسی سمن بر سے !
مے کا جب ایک جام لے کوئی
پھر بتا عمر بھر مرے مولا !
کیسے جنت کا نام لے کوئی

اے وائے براں دل کہ درو سوزے نیست
سودہ زدۂ مہرِ دل افروزے نیست
روزے کہ تو بے بادہ بسر خواہی برد
ضائع تر ازاں روز ترا روزے نیست

وہ بھی دل ہے جو وقفِ سوز نہ ہو
عاشق مہرِ جاں فروز نہ ہو
ہو بسر جو بغیرِ مے یارب!
ایسا منحوس کوئی روز نہ ہو

من بندۂ عاصیم رضائے تو کجا
تاریک دلم نورِ صفائے تو کجاست
ما را تو بہشت اگر بہ طاعت بخشی
ایں مزد بود لطف و عطائے تو کجاست

اک خطا ہوگئی تو راندے گئے
اتنے مقہور ہو گئے انساں
خلد اگر ہے صلا اطاعت کا
پھر تو مزدور ہو گئے انساں

سینۂ غم پذیرِ من رحمت کن
بر جان و دلِ اسیرِ من رحمت کن
بر پائے خرابات روِ من بخشائے
بر دستِ پیالہ گیرِ من رحمت کن

سینۂ مضطرب کو دے تسکیں
جانِ سیماب وش پہ رحمت کر!
پائے میخانہ رو کی بخش خطا!
دستِ پیمانہ کش پہ رحمت کر

وقتے کہ طلوعِ صبح ازرق باشد
باید بہ کفت جامِ مروّق باشد
گویند کہ حق تلخ بود در ہمہ حال
باید بہ ہمہ حال کہ مے حق باشد

دریائے نیل سے جب اٹھے صبح کی کرن
نتھری ہوئی شراب کا ساغر اچھال دے
ہر چند نورِ صبح میں بھی دلکشی ہے کچھ
اس دلکشی میں اور بھی کچھ جان ڈال دے

چوں باد بزلفِ او رسیدن مشکل
در اسپِ غمش عناں کشیدن مشکل
گفتند بدیدہ روئے او نتواں دید
گر دیدۂ ماست دیدہ دیدن مشکل

زلف تک اس کی کب صبا پہنچی!
عرش تک کب کوئی دعا پہنچی!
خوں ہوا دل تو تب کہیں جاکر!
اس کی انگشت تک حنا پہنچی!

خارے کہ بزیر پائے ہر حیوانے ست
زلفِ صنمے و ابروئے جانانے ست
ہر خشت کہ بر کنگرہ ایوانے ست
انگشتِ وزیرے و سر سلطانے ست

کانٹا جو تیرے پاؤں میں اے مرد پیر ہے
زلفِ نگار و ابروئے ماہ منیر ہے
ایوان کے کنگرے میں ہی پیوستہ جو بھی اینٹ
سلطاں کا سر نہیں ہے تو فرقِ وزیر ہے

روزے کہ زتو گزشتہ شد یاد مکن
فردا کہ نیامدست فریاد مکن
از آمد بگزشتۂ خود یاد مکن
حالے خوش باش و عمر برباد مکن

عشرتِ گمشدہ کو یاد نہ کر
رنجِ فردا پہ اعتقاد نہ کر
پی شراب اور کر طوافِ صنم
شکوۂ عمرِ نامراد نہ کر!

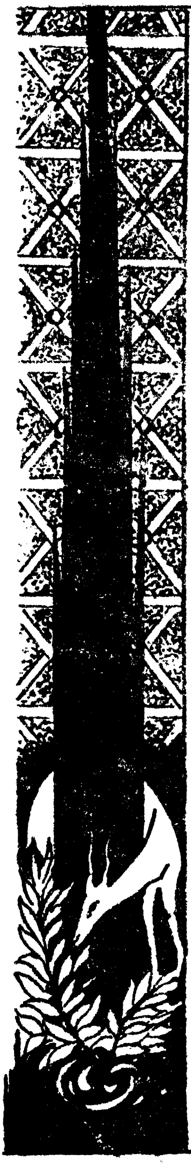

زینگونه که من کارِ جهان می‌نگرم
عالم همه رائگاں برآں می‌نگرم
سبحان الله بهر چه می‌ در نگرم
ناکامیٔ خویشتن دراں می‌نگرم

مجھ کو کارِ جہاں کی صورت میں
رائیگانی فزوں نظر آئی
عقلِ دوراں سے ہوئی ثابت
عاشقی داغِ خوں نظر آئی

هنگامِ گل است اختیارے نہ کنم
و آنکہ بخلافِ شرع کارے نہ کنم
باسبزہ خطاں لالہ رخے روزے چند
بر سبزہ زجرعہ لالہ زارے نہ کنم

فصلِ گل ہے مزا ہی کیا جب تک
شرعِ شوریدہ سر کا خوں نہ کریں
اور حسیں مغبچوں کی صحبت سے
روحِ تشنہ کو لالہ گوں نہ کریں

با مردمِ پاک عقل و عاقل آمیزا
در نا اہلان ہزار فرسنگ گریز
گر زہر دہد ترا خردمند، بنوش
در نوش رسد، ز دستِ نااہل، بریز

سو کوس بھاگ صحبتِ ناجنس سے عدم
دنیا بھی اور دیں بھی اگر دیں تو پھینک دے
پی جا اگر ملے کسی دانا سے جامِ زہر
نادان انگبیں بھی اگر دیں، تو پھینک دے

اے دل ز غمِ جہاں کہ گفتت خوں شو
یا ساکنِ عشوہ خانۂ گردوں شو
دانی چہ کنی؟ چو نیست سامانِ مقام
انگار نیامدی و بیروں شو

کون دیتا ہے مشورہ تجھ کو
دست بردارِ آرزو ہو جا
دیکھ اگر منزلِ مقام نہ ہو
گردِ صحرائے جستجو ہو جا

آں آہ کہ پیشِ ہیچ محرم نہ زنم
واں دم کہ بہ پیشِ ہیچ ہمدم نہ زنم
گر دریا بم کہ جز تو کس مے شنود
حقا کہ بمیرم از دم و دم نہ زنم

راز تیرا تجھی سے کہتا ہوں!
تاکہ تنگِ ادب نہ ہو جاؤں
اس سے پہلے کہ کوئی سن پائے
سانس بند کر کے سو جاؤں

برخیز و بیا کہ چنگ بر چنگ زنیم
مے باز خوریم و نام بر ننگ زنیم
چوں بادہ خوریم در خرابات خوریم
ویں شیشۂ نام و ننگ بر سنگ زنیم

آ کہ با نغمۂ رباب پئیں !
آ کہ با مطرب و سحاب پئیں !
شیشۂ نام و ننگ کو توڑیں
بیٹھ کر راہ میں شراب پئیں !

یک روز بندۂ عالمِ آزاد نہ ام
یک دم زدن از وجودِ خویش شاد نہ ام
شاگردیٔ روزگار کردم بسیار
در دورِ جہاں ہنوز استاد نہ ام

اک دن غمِ جہاں سے فراغت نہ مل سکی
اک لمحہ مسکرا کے مسرت نہ مل سکی
شاگردِ روزگار ہیں کب سے مگر عدمؔ
اب تک معلمی کی اجازت نہ مل سکی

در میکده جز بمے وضو نتواں کرد
واں نام کہ زشت شد نکو نتواں کرد
خوش باش کہ ایں پردہ مستوری ما
بہ دریدہ چنیں شد کہ رفو نتواں کرد

بُت نہ ہو تو نماز ناممکن
مے نہ ہو تو وضو نہیں ہوتا
چاکِ ناموس تیرے مستوں کا
اب خرد سے رفو نہیں ہوتا

فردا کہ نصیب نیک بختاں بخشند
قسمے بہ منِ رندِ پریشاں بخشند
گر نیک آیم مرا از ایشاں شمرند
در بد باشم مرا بدیشاں بخشند

روزِ محشر ہے اے مرے مولا
کچھ تو تسکینِ اضطراب ملے
شیخ ہیں تو بہشت و حور و قصور
رند ہیں تو ہمیں شراب ملے

گر از پئے شہوت و ہوا خواہی رفت
از من خبرے، کہ بے نوا خواہی رفت
بنگر چہ کسی و از کجا آمدہ ای
مے داں کہ چہ مے کنی کجا خواہی رفت

عمر گر یونہی رائگاں گذری
یار کو کیسے منہ دکھائے گا
سوچ لے کس نگر سے آیا ہے
اور کس مملکت کو جائے گا

اے آمدہ از عالمِ روحانی تفت
حیراں شدہ در پنج و چہار و شش و ہفت
مے خور کہ ندانی ز کجا آمدہ ای
خوش باش ندانی بکجا خواہی رفت

دل میں کلفت ہے طولِ جادہ کی
رُخ پہ گردِ غمِ زمانہ ہے
آیا ہے کس نگر سے اے راہی
اور کس شہر کو روانہ ہے

گویند کہ مرد را ہنرے باید
یا نسبتِ عالی پدرے باید
ایں روزِ چناں شدہ است در نوبتِ ما
کیں ہا ہمہ ہیچ ہست، زرے باید

یا ہنر یا شرافتِ ذاتی
آدمیّت کی دو سبیلیں ہیں
آج لیکن ہے زر ہی زر سب کچھ
دوسری سب غلط دلیلیں ہیں

در دہر ہر آنکہ نیم نانے دارد
از بہر نشست آستانے دارد
نہ خادم کس بود و نہ مخدوم کسے
گو شاد بزی کہ خوش جہانے دارد

دنیا میں جو اک نانِ جویں رکھتا ہے
رہنے کو کوئی کنجِ حزیں رکھتا ہے
خادم ہے کسی کا نہ کسی کا مخدوم
تحویل میں فردوسِ بریں رکھتا ہے

یک جام ہزار مردِ بادیں ارزد
یک جرعۂ مملکتِ چیں ارزد
در روئے زمیں چیست زیادہ خوشتر
تلخی کہ ہزار جانِ شیریں ارزد

اک کنول عقل و دین سے بہتر
اک سبو ملکِ چین سے بہتر
ایک تلخی جو ہو کفیل طرب
چشمۂ انگبین سے بہتر

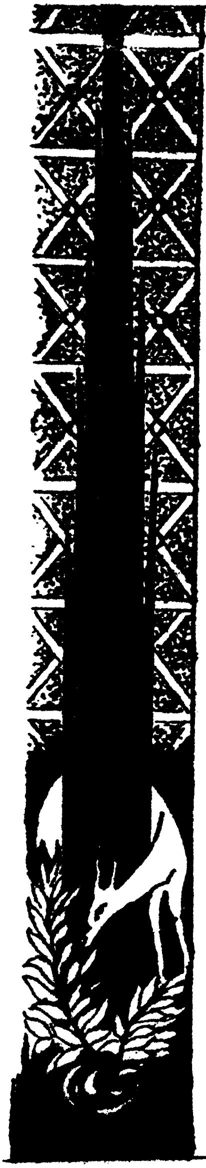

از درسِ علومِ جمله بگریزی به
وندر سرِ زلفِ دلبر آویزی به
زاں پیش که روزگار خونت ریزد
تو خونِ قرابه در قدح ریزی به

جہل درسِ علوم سے بہتر
زلفِ جاناں نجوم سے بہتر
ساعتِ خوش حیات کا حاصل
مَے دمشق اور روم سے بہتر

قومِ متفکر اند در مذہب و دیں
جمعے متحیر اند در شک و یقیں
ناگاہ منادئی برآمد ز کمیں
کے بے خبراں راہ نہ آنست نہ ایں

کچھ ہیں سودائی گمان و یقیں
اور کچھ شرع و دین کے شیدا ہیں
لیکن آثارِ نگارِ گم گشتہ !
چشمِ ساقی سے کچھ ہویدا ہیں

آنہا کہ فلک دیدہ و دہر آرائند
آیند و روند و باز با دہر آئیند
در دامنِ آسمان و در زیرِ زمیں!
خلقے ست کہ با خدائے دہر آسائند

جن سے آرائشِ دو عالم ہے
مشعلِ نزد و دور ہوتے ہیں
اس جہاں میں نہ ہوں اگر موجود
اس جہاں میں ضرور ہوتے ہیں

با سفلهٔ تند خو و بے عقل و وقار
زنہار مخور بادہ کہ رنج آرد بار
بدمستی و شور و عربدش، در شب عیش
دردِ سر و عذر خواہی اش، روز شمار

سفلۂ تُند خو کی مجلس میں!
جام پینا گناہ کرنا ہے!
آج بھی اس نے زہر دینا ہے
کل بھی اُس نے تباہ کرنا ہے

گویند بہ حشر گفتگو خواہد بود
واں یارِ عزیز تندخو خواہد بود
از حشر مگر بجز نکوئی ناید
خوش باش کہ عاقبت نکو خواہد بود

حشر میں بھی وہ مہرباں ہوگا
اس کی بیداد دل نشیں ہوگی
ہے قیامت اسی کا نام اگر
عاقبت کس قدر حسیں ہوگی

یک دست بمصحفیم و یک دست بجام
گہ مرد حلال ایم و گہے مرد حرام
ما ایم دریں گنبدِ فیروزہ فام
نے کافرِ مطلق، نہ مسلمانِ تمام

اک ہاتھ میں قرآن ہے اک ہاتھ میں جام
اک مشغلۂ نیک ہے اک کارِ حرام
ہر روپ میں ہم کو ہے تجسّس تیرا
ہیں کافرِ مطلق نہ مسلمان تمام

ما کافرِ عشق ایم و مسلماں دگر است
ما مورِ ضعیفیم و سلیماں دگر است
از ما رُخِ زرد و جگر پارہ طلب
بازارچۂ لقب فروشاں دگر است

ہم عشق کے کافر ہیں مسلماں نہیں
فرہاد کے بیٹے ہیں سلیماں نہیں
کرتے ہیں فروخت دل کے ٹوٹے موتی
درویش ہیں سوداگرِ ایماں نہیں

گر اسپ دبراق است وگر فیروزه
مغرور مشو بہ دولتِ دوروزه
از قہرِ فلک بہیچ کہ جانِ نبرد
امروز سبو شکست وفردا کوزه

رفعتِ عرش پر تھا پائے ہوس
رشتۂ اسپِ طرب کا جب چھوٹا
چرخ نے کس کو اتنی مہلت دی
آج کوزه تو کل سبو ٹوٹا!

تا بتوانی خدمتِ رنداں مے کن
بنیادِ نماز و روزہ ویراں مے کن
بشنو سخنِ راست ز خیّامِ عمر!
مے خور و رہ مے زن و احساں مے کن

روزہ و سجدہ کی نہ کر پروا!
جستجوئے رضائے یزداں کر
بادہ پی اور تشنہ کاموں پر
حتی الامکان لطف و احساں کر

درده مئے لعل و لاله گوں اے ساقی
بکشائے زحلقِ شیشه، خوں اے ساقی
کامروز بروں زجامِ مے نیست مرا
یک دوست که پاک اندروں اے ساقی

ہو گیا قلب و جاں کا خوں ساقی!
دے مئے تلخ و لالہ گوں اے ساقی!
آج جز مے کوئی رفیق نہیں
پاک ہو جس کا اندروں ساقی!

چوں آب بجوئبار و چوں باد بہ دشت
روزِ دیگر از عمرِ من و تو، بگزشت
تا من باشم، غمِ دہ روزہ نخورم!
روزے کہ نیامدست و روزے کہ گزشت

بادِ صحرا و آبِ جو کی طرح!
اور اک یومِ عمر بیت گیا!
اور اک یار ہو گیا رخصت
اور اک راستہ کا میت گیا!

نیک است بنامِ نیک مشہور شدن
عار است زجورِ چرخ رنجور شدن
خمار ببوئے آبِ انگور شدن
بہ زانکہ بزہدِ خویش مغرور شدن

نیک ہونا یہ ہے کہ مے پی کر
عاجز و حق پرست ہو جانا
یہ بھی نیکی ہے کوئی اے زاہد!
سجدہ کرتے ہی مست ہو جانا

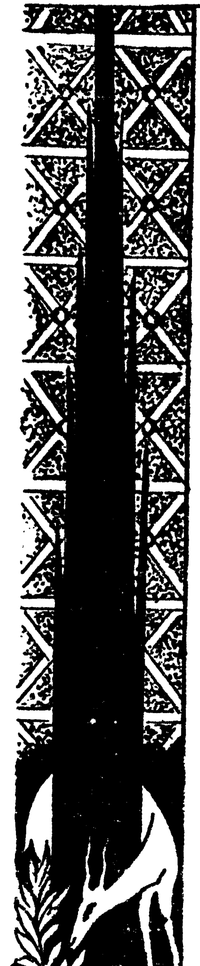

مسکیں دلِ دردمند و دیوانۂ من!
ہشیار نہ شد ز عشقِ جانانۂ من!
روزِ یکہ شرابِ عاشقی مے دادند
از خونِ جگر زدند پیمانۂ من!

بے نیازوں نے قلبِ مسکیں کو
اک ادائے حسیں سے ٹال دیا
اپنے شیشوں میں جنتیں بھر لیں
مرے ساغر میں زہر ڈال دیا

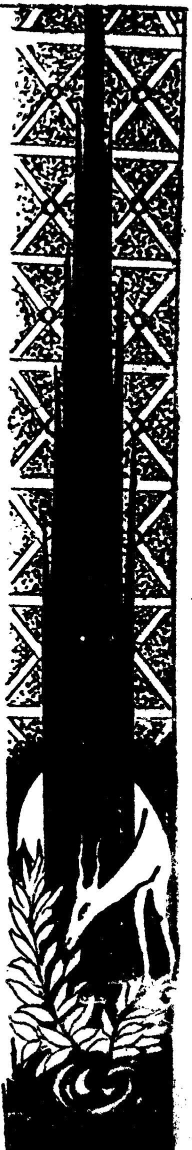

من بادہ خورم ولیک مستی نہ کنم!
الّا بقدح دراز دستی نہ کنم!
دانی! غرضم زمے پرستی چہ بود
تا ہمچو تو خویشتن پرستی نہ کنم!

پی کے شورِ فزوں نہیں کرتا
ظرفِ بادہ کا خوں نہیں کرتا
زاہدانِ حرم جو کرتے ہیں
میں وہ کارِ زبوں نہیں کرتا

تا چند اسیرِ عقل ہر روزہ شویم
در دہر چہ صد سالہ چہ یک روزہ شویم
در دہ تو بکاسۂ مے ازاں پیش کہ ما
در کارِ گہہ کوزہ گراں، کوزہ شویم

یار سے محوِ گفتگو ہو جائیں
ساکنِ شہرِ رنگ و بو ہو جائیں
میکدے سے کہو کہ رقص کرے
اس سے پہلے کہ ہم سبو ہو جائیں

آں بت کہ دلم ز بہرِ او زار شدہ است
او جائے دگر بہ غم گرفتار شدہ است
من در طلبِ علاجِ خود چوں کوشم
چوں آنکہ طبیب ماست، بیمار شدہ است

وہ یار جس پہ تو دنیا نثار کرتا ہے
وہ کم نگاہ تو دنیا سے پیار کرتا ہے
بے چارہ گر ترا جب آپ مبتلائے مرض
خبر نہیں تو دوا کس کی یار کرتا ہے

جام و مے و ساقیٔ برلبِ کشت
ایں جملہ مراد ہم ترا گشتہ بہشت
مشنو سخنِ بہشت و دوزخ ازکس!
کے رفت بدوزخ و کے آمد زِ بہشت

سبو و ساقی و مہتاب و سبزۂ لبِ جو
یہی تو چیزیں ہیں جن کو بہشت کہتے ہیں
ترا خیال یہ ہوگا کہ ارضِ جنت میں
کچھ اور فطرت و خصلت کے لوگ رہتے ہیں

زاں پیش کہ نام تو ز عالم برود
مے خور کہ چو مے رسد بدل، غم برود
بکشائے سرِ زلفِ بتِ بند بہ بند
زاں پیش کہ بند بندت از ہم برود

اس سے پہلے کہ نام مٹ جائے
جسم مٹ جائے جام مٹ جائے
زلفِ جاناں کے بند بند کو کھول!
تاکہ رنجِ مدام مٹ جائے

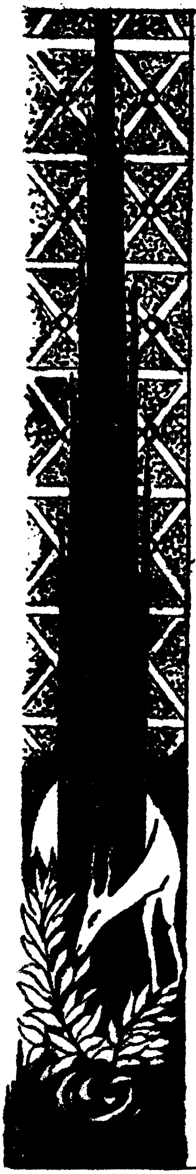

بگزار کہ غصّہ در حصارت گیرد
و اندوہ مجالِ روزگارت گیرد
مے خور بہ کنارِ سبزہ و آبِ رواں
زاں پیش کہ خاک در کنارت گیرد

غصّہ کیا ہے جو یہ مجال کرے
اک قلندر کو پر ملال کرے
پی خُمِ مے کہ رحمتِ یزداں
عمر تیری ہزار سال کرے

رفتند و رفتگاں یکے نابد باز
تا با تو بگوید از پسِ پردۂ راز
کارت ز نیاز مے کشاید، نہ نماز
بازیچہ بود نماز بے صدق و نیاز

رمزِ ناز و نیاز ہی کیا ہے
یہ نشیب و فراز ہی کیا ہے
راستہ ہے یہ عالمِ گزراں
راستے کی نماز ہی کیا ہے

ساقی قدحے کہ کارِ عالم نفسے است
گر شادہی ازو، یک نفس آں نیز بسے است
خوش باش ز ہر چہ پیشت آید ز جہاں
ہرگز نشود چنانکہ دل خواہِ کسے است

ساقی دمے سے ساز رکھ ہردم!
عقل دل کو ہرا نہیں کرتی!
نام دنیا ہے جس طوائف کا!
وہ کسی سے وفا نہیں کرتی!

ساقی دلِ من کہ شادی از غم نشناخت
جز جامِ مے از نعیمِ عالم نشناخت
مے وہ کہ دمِ صبوح جاں بخش دم است
کس غیرِ مسیح ، قدر ایں دم نشناخت

یہ خزاں اور بہار کے موسم !
دو ورق ہیں کتابِ ہستی کے
ہوش کے خار راز سے آگے
گل گدے ہیں ہجومِ ہستی کے

ساقی علمِ سیاہِ شب صبح ربود
برخیز و مے مغانہ را دردہ زود
بکشائے ز ہم دو نرگسِ خواب آلودہ
برخیز کہ خفتنت بسے خواہد بود

صبح آئی سیاہ رات گئی
میکدے تک سبو کی بات گئی
جاگ ساقی کہ کل کہے نہ کوئی!
نیند میں فرصتِ حیات گئی!

صیاد نہ حدیث نخچیر مکن
چیزے کہ ناخواندہ ای تعبیر مکن
چو پیر حقیقت از تو معنی طلبد
از دیدہ بکن ، والبِ تقریر مکن

حرفِ اندوہِ بے مثال نہ کہہ
قصۂ حسرت و ملال نہ کہہ!
تجھ سے پوچھے جو کوئی بات مری
مسکرا دے تمام حال نہ کہہ

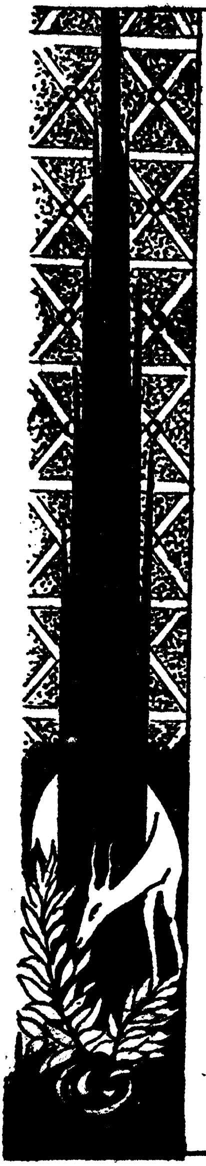

زیں گنبدِ گردندہ، بد افعالی بیں
وز جملۂ دوستاں جہاں خالی بیں
تا بتوانی تو یک نفس خرّم باش
فردا مطلب، گزارِ دے، حالی بیں

چرخ کی کتنی بد خصالی ہے
دوستوں سے جہان خالی ہے
ماہِ نو کو نکال شیشے سے
ساقیا رات ہونے والی ہے

آبادِ خرابات ز مے خوردنِ ماست
خونِ دو ہزار توبہ در گردنِ ماست
گر ما نہ کنیم جرم، رحمت چہ کند
آرائشِ رحمت ز گنہ کردنِ ماست

زاہد بہ خصال یہ نہ سمجھ
اِس قدر خام کار ہیں ہم لوگ
جس کو کہتے ہیں رحمتِ یزداں
اس کے نقش و نگار ہیں ہم لوگ

در عالمِ جاں بہ ہوش مے باید بود
در کارِ جہاں خموش مے باید بود
تا چشم و زبان و گوش برجا باشد
بے چشم و زبان و گوش مے باید بود

ہوش والو امینِ ہوش رہو!
فارغِ چشم و نطق و گوش رہو!
دخل مت دو جہاں کے کاموں میں
یار کا حکم ہے خموش رہو!

کس را پس پردۂ قضا راہ نہ شد
وز سرِّ خدا ہیچ کس آگاہ نہ شد
ہر کس زسرِ قیاس چیزے گفتند
معلوم نہ گشت و قصہ کوتاہ نہ شد

کون پہنچا تری مشیت کو!
کس کو اسرار کا سراغ مِلا!
جب اندھیرے بڑھے تجسس کے
پھر کوئی دور کا چراغ مِلا!

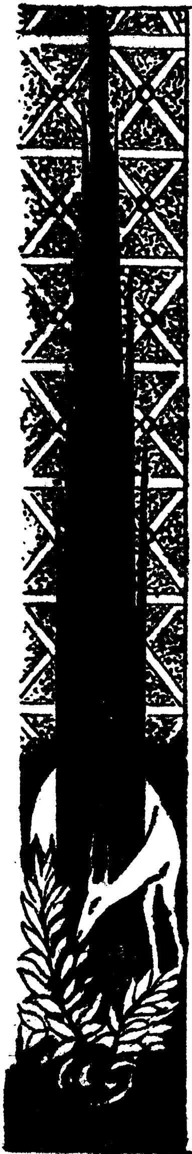

اسرارِ ازل را نہ تو دانی و نہ من
ویں حرف معمّہ نہ تو خوانی و نہ من
ہست از پسِ پردہ گفتگوئے من و تو
چوں پردہ برافتد نہ تو مانی و نہ من

سلسلہ تیری میری باتوں کا !
پسِ پردہ ہے جو بھی جاری ہے
پردہ اٹھا تو آگہی ہو گی !
پردہ داری ہی پردہ داری ہے

آں را کہ وقوف است بر احوال جہاں
شادی و غم و رنج بر اُو شد آساں
چوں نیک و بد جہاں بسر خواہد شد
خواہی ہمہ درد یاد خواہی درماں

وہ جو فکرِ مآل رکھتے ہیں!
علمِ سہل و محال رکھتے ہیں!
صحبتِ یار و مجلسِ گل سے!
نظمِ ہستی بحال رکھتے ہیں!

چوں بادہ خوری زعقل بیگانہ مشو!
مدہوش مباش جہل را خانہ مشو!
خواہی کہ مئے لعل حلالت باشد
آزارے کسے مجو و دیوانہ مشو!

نشہ فاسق ہے، مے حرام نہیں
ذوقِ بادہ ہے گر تو مست نہ ہو
مردم آزاریاں نہ کر پی کر
ہوش کے مرتبے سے پست نہ ہو

چوں لالہ بہ نوروز قدح گیر بدست
با لالہ رُخ اگر ترا فرصت ہست
مے نوش بخوز غصّہ کہ ایں چرخِ کہن
ناگاہ ترا چو خاک گرداند پست

اندیشۂ انجام کے چکر میں نہ آ
لالے کی طرح جام سے نوروز منا
ہم مجلسئ لالہ رُخاں اور یہ رُت
اک قہقہۂ گرم مشیت پہ لگا

با بادہ نشیں کہ ملکِ محمود ایں است
وز چنگ شنو کہ لحن داؤد ایں است
از آمدہ و رفتہ دیگر یاد مکن!
حالے خوش باش زآنکہ مقصود ایں است

ہم مجلسیٔ بادہ سعادت ہے تری
دلبستگیٔ نغمہ عبادت ہے تری
ماضی ہے خیال اور فردا ہے گماں
امروز جسے کہتے ہیں دولت ہے تری

در دہر چو آوازۂ گل، تازہ دہند
فرمائی پیالۂ مے بہ اندازہ دہند
وز دوزخ و وز بہشت و وز حور و قصور
فارغ بنشیں کہ آں خود آواز دہند

صبح جب بانگِ گل فروش آئے
حکم فرما کہ جام پیش کریں
اور ہمراہِ جام زہرہ جبیں
اپنا رقص و خرام پیش کریں

بردار پیالہ و سبو اے دلجو
برگیر بہ گرد سبزہ زارِ لبِ جو
کیں چرخ بسے قدِ بتانِ مہ رو
صد بار پیالہ کرد و صد بار سبو

جام اٹھا اے حسینۂ دلجو
گرم کر میرے شوق کا پہلو
اس سے پہلے کہ تیری مٹی سے
ڈھال لیں کوزہ و ایاغ و سبو!

آں مے کہ حیاتِ جاودانی است بنوش
سرمایۂ لذتِ جوانی است بنوش
سوزندہ چو آتش است لیکن غمِ او
سازندہ چو آبِ زندگانی است بنوش

مے پی کہ یہ شے خوں کو رواں رکھتی ہے
سرمایۂ صد تاب و تواں رکھتی ہے
صدیوں سے مسلم ہے کہ تابندہ شراب
انسان کو مضبوط و جواں رکھتی ہے

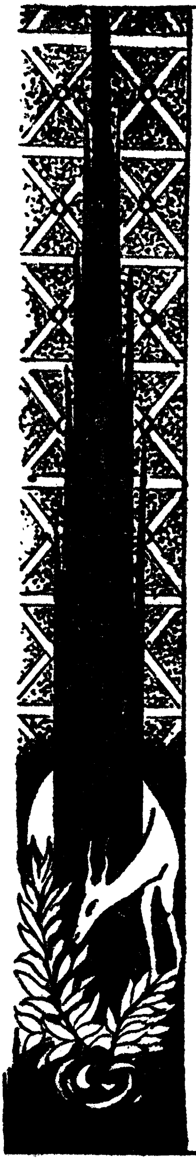

مے نوش کہ عمرِ جاودانی این است
خود خاصیت از دورِ جوانی این است
ہنگامِ گل و مل است و یاراں سرمست
خوش باش دمے کہ زندگانی این است

مے پی کہ حیاتِ جاودانی یہ ہے
خاصیتِ انفاسِ جوانی یہ ہے
ہنگامِ گل و بادہ ہے اور مست ہیں یار
خوش باش کہ شرطِ زندگانی یہ ہے

خطے کہ ز روئے یار برخاستہ شد
تو ظن نہ بری کہ حسنِ او کاستہ شد
در باغِ رُخش بہر تماشا گہہ جاں
گل بود و بسبزہ نیز آراستہ شد

اس کے رُخ پر ہوا جو خط ظاہر
رُوپ کتنا بہار پر آیا!
پہلے اس باغ میں تھا صرف گلاب
اب تو سبزہ بھی ساتھ اُبھر آیا!

خیام کہ خیمہ ہائے حکمت مے دوخت
در کوزہ غم فتاد و ناگاہ بسوخت
مقراضِ اجل طنابِ عمرش چو برید
دلّالِ قضا برائگانش بفروخت

خیّام جو کہ سیتا تھا خیمے رموز کے
اک روز غم کی آگ سے ناگاہ جل گیا
کاٹی طنابِ عمر جو اس کی حیات نے
دلّالِ موت مفت میں اس کو نگل گیا

بوسیدہ مرقعہ اند ایں خامے چند
نارفتہ رہِ صدق و صفا، گامے چند
بگرفتہ ز طامات الف لامے چند
بدنام کنندۂ نکو نامے چند

یہ ادّعا و مکر کے خود بیں غلام چند
چلتے تو خار زارِ محبت میں گام چند
دو حرف پڑھ کے عقل و خرد کے بہک گئے
بدنام کرنے والے یہ نیکوں کے نام چند

بس خونِ کساں کہ چرخِ بیباک بریخت
بس گل کہ برآمد از گل و پاک بریخت
بر حسن و جوانی اے پسر غرّہ مشو
بس غنچۂ تاشگفتہ برخاک بریخت

وہ کاروانِ نکہت و انوار کیا ہوا
وہ عشوۂ تبسّمِ دلدار کیا ہوا
کل تک تو ہر طرف تھا ہجومِ نشاط و رنگ
امروز صحنِ باغ کو اے یار کیا ہوا

حق جانِ جہان است جہاں ہمہ بدن
واضافِ ملائکہ حواس ایں تن
افلاک عناصر و، موالید اعضا
توحید ہمین ست و دگر ہا ہمہ فن

حق جہاں اور جہاں تمام بدن
ہیں ملائک حواسِ کام و دہن
ربطِ اعضا میں ہے جھک اس کی
غیب کے وسوسے تمام جتن

ساقی ! گل و سبزہ بس طربناک شدہ است
دریاب کہ ہفتۂ دیگر خاک شدہ است
مے نوش و گلے بچیں تا در نگری !
گل خاک شدہ است و سبزہ ہم خاک شدہ است

سبزہ و گل کہ فرحناک ہوئے
دوسرے دن ہی جزو خاک ہوئے
جام اٹھا اور پھول اکٹھے کر !
کب رفو حسرتوں کے چاک ہوئے

احوالِ جہاں بر دلم آساں مے کن
و افعالِ بدم ز خلق پنہاں مے کن
امروز خوشم بدار فردا با من
آنچہ از کرمِ تو مے سزد آں مے کن

آج خوش رکھ مجھے مرے مولا
میری بدیوں کا اشتہار نہ دے
کل جو چاہے وہ مجھ سے کر لینا
آج جز جامِ زر نگار نہ دے

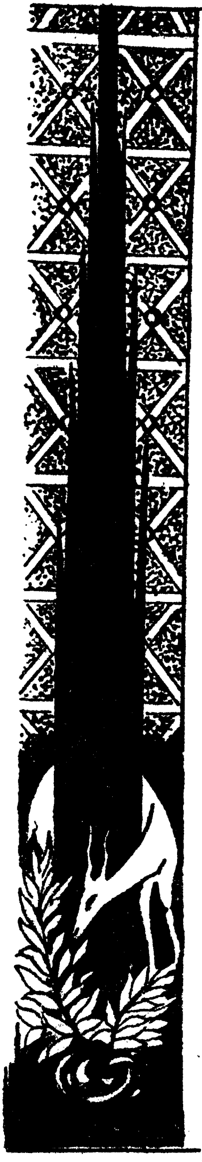

بگذار دلا وسوسۂ عقل معاش
از ہستیٔ خویشتن ببر چوں اوباش
در بزمِ قلندرانِ معنی بنشیں!
آزادہ شو و شراب نوش و خوش باش

چھوڑ فکرِ معاش کی زحمت
فارغِ رنج و ابتلا ہو جا
جو تری حدِ دسترس میں نہیں
اس ضرورت سے ماورا ہو جا

سستی مکن و فریضۂ حق بگزار
در عہدہ آں جہاں منم، بادہ بیار
در خونِ کسے و مالِ کسے قصد مکن
واں لقمہ کہ داری زکساں باز مدار

فرض ادا کرنے میں کوتاہی نہ کر
مے پلا، ذکریم و ماہی نہ کر
اپنے لقمے کا نہ ہو اتنا حریص
غیر کے لقمے کی بد خواہی نہ کر

یارانِ موافق ہمہ از دست شدند
در پائے اجل یگاں یگاں پست شدند
بودند بیک شراب در مجلسِ عمر!
دورے دو سہ پیشتر زما مست شدند

ہمنشیں سب عہدِ ماضی ہو گئے
جانے کیوں مرنے پہ راضی ہو گئے
کل جو میکش تھے وہ یارانِ حسیں
آج یوں بچھڑے کہ قاضی ہو گئے

ایں چشم پیالہ بین، بجاں آبستن
ہم چو سمنے بہ ارغواں آبستن
نے نے غلطم کہ بادہ از غایتِ لطف
آب ایست بہ آتشِ رواں آبستن

ہے چشم پیالہ بین شفق سے لبریز
آئینہ صفت، افق افق سے لبریز
کہتے ہیں جسے مے وہ مقدس شبنم
پانی ہے کہ ہے تلخئ حق سے لبریز

بیمارم و تپ در استخوانم دارد
با خوردنِ مے قصد بجانم دارد
دی طرفہ نگر کہ ہرچہ در بیماری
جز بادہ خورم ہمہ زیانم دارد

مے سے ہے یہ خدشہ کہ نہ مر جاؤں کہیں
بیمار ہوں اور دل میں تپش رکھتا ہوں!
کرتی ہے اضافہ ہی مرض میں لیکن!
گر مے کے سوا چیز کوئی چکھتا ہوں

چوں ہست زمانہ درشباب اے ساقی!
برنہ بہ کفم جام شراب اے ساقی!
ہنگام صبوح قفل بر در زدہ ام
مے وہ کہ آمد آفتاب اے ساقی!

ہے زمانہ شباب پر ساقی!
کیا پھبن ہے شراب پر ساقی!
عنبریں کاکلوں کو پھیلا کر
ڈال دے آفتاب پر ساقی!

در سنگ اگر شوی چو بار اے ساقی!
ہم آب اجل کند گذار اے ساقی!
خاک است جہاں غزل بخواں اے مطرب
باد است نفس بادہ بیار اے ساقی!

کیوں تیرے دل پہ بار ہے ساقی!
ساعتِ خوشگوار ہے ساقی!
تو غزل چھیڑ میں شراب پیوں
زندگی رہ گزار ہے ساقی!

ہنگامِ صبوح است و خروش اے ساقی
ما و مے و کوئے میفروش اے ساقی!
چہ جائے صلاح ست خموش اے ساقی!
بہ گزر ز حدیثِ زہد و نوش اے ساقی!

یہ سحر کا خروش اے ساقی!
یہ کوئے مے فروش اے ساقی!
مشورے کی یہ کون سی ہے جگہ
دے مئے گرم جوش اے ساقی!

مادے و معشوق و صبوح اے ساقی!
از ما، نہ بود توبہ نصوح اے ساقی!
تا کے خوانی قصہ نوح اے ساقی!
پیش آر سبک راحتِ روح اے ساقی

کر نہ ذکرِ نصوح اے ساقی!
کیا طوفانِ نوح اے ساقی!
دے صبوحی کہ ہے طلوعِ سحر!
لا جوانی کی روح اے ساقی!

دردہ قدحے زلعلِ ناب اے ساقی!
برگیر ز آتشم باب اے ساقی!
تا عقل گریبانِ دلم خواہد داشت
دستِ من و دامانِ شراب اے ساقی!

آتشِ دل کو دے طراوتِ گل!
ظرفِ توبہ کو توڑ دے ساقی!
کیوں صراحی ہے مے کی سربستہ
اس کی گردن مروڑ دے ساقی!